قانون تبدیلیِ اعضاء کا محاکمہ: قرآن وسنت کی روشنی میں

ڈاکٹر شہزاد اقبال شام*

With the advancement of technology and scientific inventions humanity faces numerous changes and problems, and the issue of transplantation of human organs and tissues from one person to another is one of those problems. The parliament of Pakistan, in order to address the problems emerged from transplantation of human organs and tissues promulgated a new enactment titled the Transplantation of Human Organs and Tissues Act 2010. However the author, in view of Islamic injunctions and commandments, could not find him satisfied and therefore he, in this article, studied the issue thoroughly. The author, in this author, studied the issue in light of teachings of the Holy Quran and the Sunnuah of the Prophet (peace be upon him) and he also took evidences from classical fiqhi schools. He brought some cogent results as food for thought for academicians, legislators and judicial circles. The findings of the authors are at the end of the article and these findings will eventually attract the attention of relevant circles. The author hopes that this article will definitely open some new avenues for learned circles.

مسئلے کی نوعیت

اعضاء کی تبدیلی اور پیوندکاری کا مسئلہ آج کا نہیں ہے، اس کی شروعات اسی دن ہوگئی تھیں جب عشروں قبل انسانی خون کو گروپوں کی شکل میں دیکھ لیا گیا تھا اور ایک انسان کا خون دوسرے میں منتقل کرنا ممکن ہو گیا تھا۔ ساٹھ کی دہائی میں پہلی مرتبہ ایک انسان کا دل کسی دوسرے میں تبدیل کرنے کا تجربہ جزوی کامیابی سے ہمکنار ہوا لیکن تادم تحریر اسے استحکام نصیب نہیں ہوا۔ اس کے پہلو بہ پہلو بصارت کے حوالے سے قرنیہ کی تبدیلی اب قصہ ماضی بن کر رہ گئی ہے۔ گردوں کی تبدیلی تو اب گلی محلوں کے شفاخانوں میں بھی ممکن ہے۔ انسانی جسم کی نسبت سے طبی تحقیق گزشتہ ایک صدی میں بڑی برق رفتاری سے پیش قدمی کرتی دکھائی دے رہی ہے۔ جن ترقی یافتہ ممالک میں اس تحقیق کے ثمرات ابتداً حاصل ہوتے ہیں، وہ ممالک اگلے قدم کے طور پر فوراً اس پر قانون سازی کر لیتے ہیں اور بعد میں تحقیق کسی تبدیلی کا تقاضا کرے تو قانون میں بھی تبدیلی کر لی جاتی ہے۔

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

وطنِ عزیز میں اعضاء کی پیوندکاری سے متعلقہ جدید طبی تحقیق کے ثمرات سے استفادہ تو ان کے متعارف ہوتے ہی کیا جاتا رہا ہے لیکن طویل عرصے تک اس پر کوئی قانون نہ بنایا جا سکا۔ اب اگر اس مسئلے کے دو زاویوں---اجتہادی رائے اور قانون کے وجود---پر نظر ڈالی جائے تو یہ حیرت انگیز حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس کے فقہی پہلو پر علماء روزِ اوّل سے تحقیق کر کے اپنی اپنی آراء کا اظہار کرتے رہے لیکن جہاں تک قانون کا تعلق ہے تو طویل عرصے تک پارلیمان یا حکومت کی ترجیحات میں یہ مسئلہ شامل ہونے سے محروم رہا۔ بالآخر ۲۰۱۰ء میں اس پر جب قانون سامنے آیا تو وہ بھی وفاقی شرعی عدالت کے ایک فیصلے کے تسلسل میں تھا۔ پارلیمان یا حکومت نے اس مسئلے کو ترجیح کے طور پر کبھی نہیں لیا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیرِ نظر قانون بعنوان ''انسانی اعضاء اور ٹشو کی پیوندکاری کا قانون'' (۱) کسی حد تک شرعی احکام کے تناظر میں ہے اور اس میں گزشتہ ساٹھ ستر سال کی مدت میں دینی حلقوں کی طرف سے آنے والی آراء کو کسی حد تک سمو دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اس قانون کو حتمی طور پر قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق قرار دینا خاصا دشوار ہے۔ آئندہ سطور میں محولہ بالا قانون کے ایک پہلو کا مطالعہ پیشِ نظر ہے۔ امید ہے اہلِ علم اس پر غور کر کے اس کے مزید مخفی گوشے سامنے لائیں گے۔

صرف اٹھارہ دفعات پر مشتمل اس قانون سے اسلامی شریعت کے کئی شعبے متاثر ہوتے ہیں۔ ان اٹھارہ دفعات میں سے نصف کے لگ بھگ تو وہ ہیں جو ہر قانون کا لازمہ ہوا کرتی ہیں۔ یہ قانون بیک وقت اسلام کے قانونِ وصیت وراثت، عائلی قانون، حقوق الزوجین، اصولِ فقہ اور عرفی قانون پر ایسے ایسے اثرات ڈالتا ہے جن کا بروقت مداوا نہ کیا گیا تو آگے چل کر پاکستانی معاشرت لاتعداد پیچیدہ معاشرتی اور عائلی مسائل کا شکار ہو سکتی ہے۔ ان مذکورہ شعبوں کی متعدد ذیلی شاخیں ہیں جن میں سے ہر شاخ تفصیلی قانون سازی کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کی مثال انگریزی دورِ حکومت کا ضابطہ دیوانی ہے جس کے اندر اس وقت کے معاشرتی حقائق کو قانونی شکل میں سمونے کی بہترین کوشش موجود ہے۔ زیرِ نظر قانون اس طرح کی کسی مشق سے خالی ہے۔

اعضاء کی پیوندکاری کا نیا قانون: ایک تعارف

مجلسِ شوریٰ کے بنائے محولہ بالا قانون سے قبل ایک اور قانون وفاقی آرڈیننس کی شکل میں نافذ تھا (۲)۔ مجلسِ شوریٰ کا بنایا ہوا موجودہ قانون مجریہ ۱۸ مارچ ۲۰۱۰ء بھی وفاقی قانون ہے جس میں بنیادی طور پر کسی شخص کے اپنی زندگی میں اپنے بعض عزیزوں کو انسانی اعضاء عطیہ کرنے کے معاملے پر قانون سازی کی گئی ہے (۳)۔ یہ حصہ کسی حد تک شرعی احکام کی روشنی میں مرتب ہے۔ اسی قانون میں آگے چل کر اعضاء کی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

خرید وفروخت کو فوجداری جرم قرار دیا گیا ہے(۴)۔اس حصے کے قرآن وسنت کے مطابق ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں ہے۔لیکن قانون کا وہ حصہ محلِ نظر ہے جس میں کسی شخص کی طرف سے بذریعہ وصیت بعداز مرگ بلاتحدید ہر کسی کو اعضاء کا عطیہ کرنے کا ذکر ہے۔قانون محولہ بالا کا متعلقہ حصہ مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

4. Donation of human organs or tissues after death.- (1) Any person who is not less than eighteen years of age may before his death, in writing duly signed and verified by the respective Evaluation Committee, donate any of his organ or tissue for transplantation and for this purpose may authorize any medical institution or hospital duly recognized by the Monitoring Authority. The cases of unclaimed brain dead hospitalized patients shall be presented to an Evaluation Committee for transplantation after an intense search for their relatives within twenty-four hours(5).

۴۔بعداز مرگ انسانی عضو یا ٹشو کا عطیہ: (۱) ہر وہ شخص جو اٹھارہ سال سے کم عمر نہ ہو، اپنی وفات سے قبل بذریعہ دستخط شدہ تحریر جو متعلقہ ایوالیوایشن کمیٹی سے توثیق شدہ ہو، مانیٹرنگ اتھارٹی سے باقاعدہ منظور شدہ کسی بھی طبی ادارے یا شفاخانے کو اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو یا ٹشو عطیہ کرسکتا ہے۔شفاخانے میں داخل لاوارث متوفی مریضوں کے معاملات ان کے لواحقین کی خوب تلاش کے بعد چوبیس گھنٹے کے اندر پیوندکاری کے لیے ایوالیوایشن کمیٹی کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

متذکرہ بالا قانون کا یہ وہ حصہ ہے جسے اسلامی تعلیمات کے مطابق قرار دینے کے حق میں دلائل کے بالمقابل اس کی مخالفت میں دلائل کا حجم کہیں زیادہ ہے۔ادھر دستور پاکستان ۱۹۷۳ء میں بصراحت کہا گیا ہے کہ ملک میں کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا(۶)۔جب یہ دستوری صورت حال ہو تو ضروری ہوجاتا ہے کہ ملک میں بننے والے کسی بھی قانون کو اس نظر سے دیکھ لیا جائے کہ اس کے متعلق قرآن وسنت کے فرامین کیا ہیں۔قانون کے اس حصے کا جائزہ لینے کے لیے قرآن وسنت کی تعلیمات اور فقہاء کی آراء کو بنیاد بنایا جانا ناگزیر ہے لیکن اس سے قبل یہ دیکھنا بھی ضروری ہوجاتا ہے کہ اعضاء کے بعداز مرگ عطیے کی وصیت پر عمل درآمد کرنے کی صورت کیا ہے۔اسی دفعہ کے اگلے حصے میں یہ عبارت ہے:

(2). On the death of a donor referred to in sub-section (1), any close relative of the deceased shall inform the Evaluation

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

Committee about the deceased and cause the removal of the human organ or tissue in accordance with the authorization(7).

(۲)۔ ذیلی دفعہ (۱) میں مذکور عطیہ دہندہ کی موت پر متوفیٰ کا کوئی بھی قریبی عزیز ایوالیوایشن کمیٹی کو مطلع کرے گا اور دی گئی اجازت کے مطابق (متعلقہ) انسانی عضو یا ٹشو (میت سے) علیحدہ کرنے میں سہولت دے گا۔

تین بنیادی سوالات

اسی حصے کی ذیلی دفعہ (۳) میں معطی (Donor) کے اس اختیار کا تذکرہ ہے جس کے تحت وہ اپنی زندگی میں اعضاء کے اس عطیے سے متعلق وصیت کو دو گواہوں کے سامنے کسی بھی وقت منسوخ (Revoke) کر سکتا ہے۔ اس بیان کے بعد جو صورت حال سامنے آتی ہے، اسے بالاختصار تین نکات میں سمویا جا سکتا ہے۔ یہ نکات درج ذیل تین سوالات کی شکل میں سامنے آتے ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ کیا کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنے اعضاء عطیہ کرنے یا اس کی وصیت کرنے کا مجاز ہے؟

۲۔ شفا خانوں میں لاوارث نعشوں کو چوبیس گھنٹے کے اندر تبدیلی اعضاء کے لیے کمیٹی کے حوالے کر دینا کس حد تک جائز ہے؟

۳۔ معطی موصی کی موت کی اطلاع دینا اس کے کسی بھی عزیز کے ذمے ہے۔ قانون کے حصے کی فنی حیثیت کیا ہے؟

فکر انگیز اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ یہ قانون شرعی اعتبار سے تو محل نظر ہے ہی، قانونی اور فنی اعتبار سے بھی یہ مکمل طور پر صحیح نہیں ہے۔ اس سارے معاملے کی نوعیت کیا ہے؟ قانون کی نظر میں یہ یک طرفہ (Unilateral) معاہدہ ہے جس میں فریق ثانی کی رضامندی درکار نہیں ہوتی۔ معاہدے کی کوئی بھی صورت ہو، ایجاب وقبول کے لیے عاقد میں دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ دو بنیادی شرائط کا وجود لازم ہے: بلوغ اور عقل۔ زیر نظر قانون میں بلوغ کا ذکر تو ملتا ہے لیکن عاقد کے عاقل ہونے پر قانون خاموش ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی بالغ، لیکن فاتر العقل شخص زیر نظر ایسی کوئی وصیت کرے تو قانون معاہدہ مجریہ ۱۸۷۲ء کے تحت اس کی کیا توجیہ ہوگی جس میں عاقد کے لیے بلوغ کے ساتھ عقل بھی شرط ہے (۸)۔ بالعموم کہا جاتا ہے کہ ہر انسان کو صحیح الدماغ فرض کر کے قانون سازی کی جاتی ہے، رہا اس قانون میں عمر کا تذکرہ تو اس کا ذکر انسانوں کے مختلف زمرے علیحدہ بیان کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے۔ لیکن زیر نظر قانون کے تحت اگر کسی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

میت کے ورثاء وصیت پر عمل نہ کرنے کی غرض سے یہ دعویٰ کریں کہ متوفی نے یہ وصیت فتورِ عقلی کے دورانیے میں کی ہے تو کفن دفن کے موقع پر اس کی جواب دہی کمیٹی کے ارکان کے لیے خاصی دشواری کا باعث بن سکتی ہے جس کا ایک ہی حل ہوگا کہ وصیت پر عمل نہ کیا جائے۔

اس ابتدائی نکتے کی طرف توجہ دلانے کے بعد مندرجہ بالا تین سوالات پر نظر ڈالی جائے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات اور فقہاء کی فکر انگیز آراء کا جائزہ لیا جائے۔ یہ سوال کہ کیا کوئی شخص بعد از مرگ اپنے اعضاء کو عطیہ کر سکتا ہے، بڑی حد تک ناقص یا کسی حد تک ذیلی نوعیت کا ہے۔اس سے قبل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنے جسم پر انسان کی حد اختیار کیا ہے۔اس سوال کا جواب ملنے پر اعضاء عطیہ کرنے یا اس کے بارے میں وصیت کا مسئلہ آسان ہو جاتا ہے۔انسان کی اس حدِ اختیار پر گفتگو سے پہلے مسئلے کی نوعیت مزید واضح کرنا ضروری ہے۔

اعضاء کی پیوندکاری: ایک سلگتا ہوا مسئلہ

گزشتہ چھ سات عشروں میں اس مسئلے پر علماء کی آراء کی شکل میں جتنا مواد ملتا ہے، اس پر سرسری سی نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ماضی کی ابتدائی آراء اور معاصر فکر میں وقت گزرنے کے ساتھ خاصی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ابتدائی ایام میں اعضاء کی پیوندکاری کے جملہ پہلوؤں پر تفصیلی رائے کا اہتمام بہت کم دیکھنے کو ملتا تھا بلکہ مسئلے کے اجمالی زاویے پر رائے دہی کافی سمجھی جاتی تھی۔ ساٹھ ستر سال کے عرصے میں مسلسل بحث وتمحیص کے بعد آج اس مسئلے کے وہ وہ گوشے سامنے آئے ہیں جن کا تذکرہ ماضی کی ابتدائی تحریروں میں نہیں ملتا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان ابتدائی تحریروں میں انسانی جسم کے احترام پر غیر معمولی زور دیتے ہوئے اس مسئلے کا جواب دیا جاتا تھا۔ادھر آج کل اسی احترام کی اٹھان پر ماقبل کی آراء سے مختلف آراء سامنے آرہی ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں آنکھوں کی تبدیلی کے متعلق جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے جملہ انسانی اعضاء کی تبدیلی سے منسلک کرتے ہوئے بیک جنبش قلم اسے مسترد کر دیا: ''آنکھوں کے عطیے کا معاملہ صرف آنکھوں تک ہی محدود نہیں رہتا۔ بہت سے دوسرے اعضاء بھی مریضوں کے کام آسکتے ہیں اور ان کے دوسرے مفید استعمال بھی ہو سکتے ہیں(۹)۔''

یہ تحریر سائل کے اس سوال کا جواب تھی: ''کیا ایک مسلمان زندگی میں اپنی آنکھیں عطیہ کر سکتا ہے کہ موت کے بعد کسی مریض کے لیے استعمال ہو سکیں؟ کیا یہ قربانی گناہ تو نہ ہوگی اور قیامت میں یہ شخص اندھا تو نہ اٹھے گا؟'' مولانا محترم کے جواب کا بغور جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ غالباً اس بارے میں تب

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

تک یکسونہیں تھے۔شاید اسی لیے انہوں نے مسئلے کو تجزیاتی انداز میں لے کر جواب دینے کی بجائے اسے دوسری باتوں کے ساتھ خلط ملط کر کے سائل کی توجہ دیگر امور کی طرف کرنے کی کوشش کی۔ساٹھ کی دہائی میں اعضاء کی پیوند کاری کے مسائل نہ تو نکھر کر اہل حل وعقد کے سامنے آئے تھے اور نہ ہر مسئلہ تفصیلی نکات میں منقسم تھا۔شاید یہی وجہ ہے کہ سید مودودی رحمہ اللہ علیہ کی نظر آنکھوں کے عطیے کے مختلف النوع ذیلی عناوین کی طرف گئی ہی نہیں۔

انسانی اعضاء کی تبدیلی اور پیوند کاری: جواز یا عدم جواز؟

انسانی عضو کے ضیاع یا اتلاف صلاحیت عضو کا مسئلہ انسان کو ہمیشہ درپیش رہا ہے۔جب مسئلہ سامنے ہوتو اس کا حل سوچنا انسانی ذہن کے فوری وظائف میں سے ایک اہم وظیفہ ہوا کرتا ہے۔بہت پیچھے جائے بغیر عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مسئلے کا سراغ بھی ملتا ہے۔ایک صحابی رسولؐ جناب عرفجہؓ کی ناک عہد جاہلیت کی کسی جنگ میں کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک لگوالی جس کے باعث متعلقہ جگہ سے بدبو آنے لگی۔یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو انہوں نے صحابی کو سونے کی ناک لگوانے کا حکم دیا(۱۰)۔اب ذرا غور کیا جائے تو بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زیب وزینت کی خاطر مردوں کے لیے سونے کے پہناوے حرام ہیں لیکن انسانی زندگی میں ضرورت درآئی تو مسئلے کے حل کی حد تک حرام شے شریعت میں حلال قرار پائی۔اسی وجہ سے فقہاء نے ایک قاعدہ وضع کیا ہے: الضرورات تبیح المحظورات یعنی اضطراری حالت ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے(۱۱)۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو انسانی اعضاء کی نسبت سے پیدا شدہ ضرورت پوری کرنے کی غرض سے شریعت نے یہاں ایک حد کے اندر رہتے ہوئے حرام شے کو مباح کر دیا۔ایسی ہی دیگر انسانی ضروریات پوری کرنے کے لیے دھاتوں، دیگر جمادات، نباتاتی اجزاء اور بعض شرائط کے ساتھ حیوانی اجزاء کا استعمال اسی طرح جائز ہے جیسے ان اشیاء سے دوا تیار کر کے انسانی امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔جمادات، نباتات اور دیگر بے جان خارجی اشیاء کے دائرے کو اس باب میں وسعت دی جائے تو اس میں حرام اشیاء آجاتی ہیں۔جیسے مذکورہ بالا حدیث میں سونے......حرام بوصفہ......کا استعمال ضرورت پڑنے پر مرد کے لیے جائز قرار دیا گیا۔مزید آگے ایک دوسرے دائرے پر نظر ڈالی جائے تو اس دائرے میں بعض ایسی اشیاء آتی ہیں جو حرام باصلہ ہوتی ہیں، مثلاً خون، شراب، مردار اور انسانی میلان اور ذوق کے منافی اشیاء جیسے بول و براز وغیرہ۔کیا انسانی صحت یا جان بچانے کے لیے ان حرام اشیاء کا استعمال جائز ہے؟ فقہ اسلامی کا کہنا ہے

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کہ طبیب کی اجازت سے ان اشیاء کا استعمال بقدرِ ضرورت جائز ہے۔ یہ اجازت مطلق نہیں بلکہ بعض شرائط سے منسلک ہے (۱۲)۔

یوں یہ بات واضح ہوئی کہ انسانی جان ہی نہیں، محض ضرورت کی بنا پر بھی بعض حرام اشیاء حلال ہو جاتی ہیں جیسے کٹی ہوئی ناک کے لیے سونے کا استعمال۔ ان خارجی حرام اشیاء کی حلت کا مرکزہ تلاش کیا جائے تو جواب میں انسان سامنے آتا ہے۔ اب اس انسان کی ضرورت کے یہ دو دائرے پھیلا کر جتنا مرضی وسیع کر لیے جائیں، جواب میں وہی فقہی قاعدہ حاصل ہوتا ہے: الضرورات تبیح المحظورات۔ ان دو دائروں میں ہمیں قرآن وسنت سے براہ راست راہنمائی ملتی ہے۔ اس لیے یہاں تک کے مسائل حل شدہ ہیں۔

تبدیلیِ اعضاء پر اجتہاد: ایک حساس مسئلہ

لیکن انسانی ضروریات کے پہلے دو دائروں سے ذرا آگے تیسرے دائرے میں صورت حال خاصی مختلف نظر آتی ہے۔ اس دائرے میں انسانی اعضاء کا کسی دوسرے انسان کے لیے استعمال حساس مسئلہ ہے جس کا تعلق براہ راست انسانی اعمال وافعال سے ہے۔ کیا ایک انسان کی ضرورت پوری کرنے کی غرض سے دوسرے کے اعضاء سے کام کیا جا سکتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس سے کئی ذیلی سوالات سامنے آتے ہیں۔ یہاں قرآن وسنت سے براہ راست راہنمائی حاصل نہ ہونے کے سبب قیاس سے کام لیا جانا ایک بدیہی امر ہے۔ لیکن یہ قیاس مطلقاً جائز نہیں ہوگا کہ ضرورت کی بنیاد پر جب مرد کے لیے سونا جائز قرار دے دیا گیا ہو، شراب اور خون کا استعمال مباح قرار پا گیا ہو اور حتیٰ کہ طبیب کی رائے پر بول براز جیسی ناگوار اشیاء بھی بقدر ضرورت مباحات میں آ جائیں تو انسانی اعضاء کا کسی دوسرے انسان کو پیوند لگا دینا بھی جائز ہو جاتا ہے بالخصوص کہ جب انسانی جان کو خطرہ ہو۔ یہ قیاس مع الفارق ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اگر جمادات، نباتات اور حیوانی اجزاء سے ادویہ وغیرہ کی حلت پر قیاس کرتے ہوئے انسانی اعضاء کا استعمال بلا روک رکاوٹ اور بلا تحدید جائز قرار دے دیا جائے یا ہر شخص اپنے اعضاء محض انسانی ہمدردی کی بنیاد پر عطیہ کرنے لگے تو تفصیلی فقہی احکام تلاش کیے بغیر دو ایک جملوں میں بات کر کے شریعت کے مطابق کسی چیز کا جواز تلاش کرنے کی حاجت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

مثلاً کیا حیوانی اعضاء سے ہونے والے توالد وتناسل کے اصول انسان پر لاگو ہو سکتے ہیں؟ حیوانات میں رشتوں کا تقدس بمنزلہ صفر ہے۔ وہ اپنے اعضاء ایک دوسرے پر باہم استعمال کریں تو ان کے لیے ازلی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

الہامی وحی (Programming) کے علاوہ کوئی ہدایت نہیں ہے جس کے اندر رشتوں کا تقدس مطلقاً نہیں ہے۔لیکن انسان اپنے تمام اعضاء ایک منضبط قاعدے کی پابندیوں سے آزاد ہوکر استعمال نہیں کر سکتے۔ قاعدے کی جونوعیت سابقہ شریعتوں میں ہے،شریعت محمدی میں وہ مختلف ہوسکتی ہے لیکن قاعدے قانون کے وجود سے انکار ممکن نہیں ہے۔ چناں چہ بلا تخصیصِ محارم اعضاء کی تبدیلی کا راستہ کھول کر اس قاعدے قانون کی خلاف ورزی کی جائے گی تو شریعت اسلامی میں نہ رشتوں کا تقدس باقی رہے گا، نہ توالد وتناسل سے متعلق الہامی ہدایت کی اہمیت باقی رہ جائے گی اور یہ سب کچھ ہو جانے پر بالآخر قانون وراثت کی تو جڑ کٹ جائے گی۔

جسم انسانی پر انسان کی حدِ اختیار

یہ مبحث حکمائے فلاسفہ اور متکلمین کی قلم رو میں آتا ہے۔ کیا انسان بجائے خود روح وجسم ہے یا جدید حکماء غرب کی رائے میں جمادات میں پیدا شدہ محدود تحرک کی اگلی نباتاتی شکل میں پیدا شدہ مزید لامحدود حالتِ تغیر---شعور---کی موجودہ کڑی ہے؟ تفصیل میں جائے بغیر اور کوئی ذیلی بحث چھیڑے بغیر اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ شریعت اسلامی کی رو سے انسان اس اعتبار سے روح ...... یا شعور......اور جسم کا مجموعہ ہے۔ کیوں کہ روح والے حصے کو اپنے ارضی وظائف اور اعمال وافعال کی انجام دہی کے لیے جسم والا حصہ ودیعت کیا گیا ہے۔ بات اگر محض ارضی وظائف کی انجام دہی تک محدود ہوتی تو یہ کہہ دینا آسان ہوتا کہ موت کے بعد روح ہی جزا وسزا کی مکلّف ہوگی جسم تو گل سڑ چکا ہوگا۔ لیکن قرآن بعث بعد الموت کو یوں بیان کرتا ہے:

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ م بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا(۱۳)

وہ کہیں گے، اے ہے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے جگا ڈالا ہے۔

قبروں سے جاگ پڑنے کا ایک ہی مطلب ہے کہ انسان اپنے جسم کے ساتھ جاگیں گے۔ یہی بات ذرا وضاحت سے ایک اور آیت میں ملتی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا(۱۴)

جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، ان کو ہم عنقریب آگ میں ڈالیں، جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم نئی کھالوں سے انہیں بدل دیں گے۔

فکر اسلامی اس بابت بالکل واضح ہے کہ حیات بعد الممات کی اگلی حالت اسی جسم کے ساتھ ہوگی۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

بالفاظ دیگر انسان روح اور جسم کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو اپنی ابتدائی شکل ہی میں رہے گا۔ لیکن بیک وقت اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ارضی وظائف کی انجام دہی اور سزا و جزا کی عقوبات وثمرات جسم انسانی کو ملیں گے۔ لہٰذا مسائل سامنے آنے پر یہ سوال فقہاء اسلام کی بحثوں کا مدار رہا ہے کہ انسان کے شعوری حصے (روح) کو طبعی (جسمانی) حصے پر کس قدر اختیار ہے۔ اسلامی تعلیمات اس بابت واضح ہیں کہ انسان کے شعوری حصے کو طبعی حصے پر اتنا ہی اختیار ہے جتنا شارع حکیم اور سنت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہمیں پتہ چلتا ہے۔ جان اللہ کی ودیعت کردہ ایک امانت ہے۔ خودکشی کی صورت میں جان کا اتلاف حرام ہے۔ شرعی احکام اس بارے میں اس قدر واضح ہیں کہ اس مقالے میں تفصیل کے ساتھ ان کا تذکرہ شاید سود مند نہ ہو۔ مثلاً جسم کے وہ حصے جن کا اخفاء شریعت میں مطلوب ہوتا ہے، ان پر نظر ڈالنا یا انہیں ہاتھ لگانا خود ان اعضاء کے مالک کے لیے بھی اتنا ہی جائز ہے جتنی ضرورت ہو۔ کسی مرد یا عورت کے لیے یہاں تک جائز نہیں ہے کہ بلا ضرورت اپنے مخفی اعضاء کو ہاتھ لگائیں یا آئینے میں انہیں دیکھیں۔ ان اعضاء کا دیکھنا یا ان سے حظ اٹھانا صرف انسان کے زوج کے لیے جائز ہے۔

جسم پر انسانی حدودِ اختیار اور نصوص

یہاں مسئلے کی نوعیت ذوجہت ہو جاتی ہے: اپنے جسم پر انسان کی حدودِ اختیار اور وفات شدگان کے اعضاء کا زندہ انسانوں کے لیے استعمال بذریعہ وصیت۔ ایسے کئی صاحبانِ بصیرت دیکھے جاسکتے ہیں جو دل کی گہرائی سے اعضاء کی تبدیلی کو جائز نہیں سمجھتے لیکن انہی اصحاب سے ذرا دیر بعد جب یہ سوال کیا جائے کہ ذرا تصور کر کے بتائیں کہ اگر آپ کی آنکھیں نہ رہیں تو کیا آپ کسی دوسرے کی آنکھیں بطور عطیہ لگوانا قبول کریں گے تو جواب میں خاموشی حاصل ہوتی ہے۔ یہ رویہ تبدیلیِ اعضاء کا مسئلہ سامنے آنے پر ابتدائی عرصے تک رہا۔ وقت کے دھند گہری ہوتے ہوتے اب یہ مسئلہ خوب نکھر چکا ہے اور اس کے متعدد زاویہ ہائے نگاہ سامنے آچکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب اعضاء کی تبدیلی بعض حدود میں رہتے ہوئے تسلیم کر لی گئی ہے اور علماء بعض امور میں اتفاق رائے کی طرف جاتے دکھائی دے رہے ہیں۔

لیکن یہ سوال بہت بعد کا ہے کہ بعد از وفات اپنے جسم پر بذریعہ وصیت انسان کی حدودِ اختیار کیا ہیں۔ یہاں الہامی نصوص تو انسان کو یہاں تک اختیار نہیں دیتیں کہ وہ زندگی میں اپنے اعضاء کے استعمال میں بھی یزدانی ہدایت سے سرِ مو انحراف کرے۔ آنکھوں کا استعمال کیا ہوسکتا ہے؟ منجملہ دیگر روزمرہ حاجات و ضروریات پوری کرنے کے ان کا ایک استعمال انسانی حسن وزیبائش کو ذہن میں منتقل کرنا اور اس سے حظ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اٹھانا ہے۔لیکن کیا یہ بلاتحدید ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ملاحظہ ہو:

لاتتبع النظرة النظرة فان لك الاولیٰ و لیست لك الاخرة(۱۵)

(نامحرم پر) دوبارہ نگاہ مت ڈالو۔ پہلی نظر (بلاارادہ) تو تمہارے لیے (جائز) ہے، دوسری (بالارادہ) نہیں۔

الہامی راہنمائی سے آزاد فکر کے خیال میں انسان اپنے اعضاء کے مطلق استعمال میں اس قدر آزاد ہے کہ کسی دوسرے کی رضامندی سے دونوں مل کر باہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔تفصیل کا یہ موقع نہیں کہ سب جانتے ہیں کہ اس جملے سے کیا مراد ہے۔اس فکر کے لوگ تحدید کے کسی کرے کے اسیر نہیں رہ سکتے۔کسی معاشرتی جبر سے مجبور رہ سکیں تو الگ بات ہے ورنہ ان کے نزدیک آزادی کے باب میں انسان کو اطلاق حاصل ہے۔لیکن الہامی راہنمائی نے انسان کو اپنے اعضاء کے طبعی استعمال کا ایک جامع ضابطہ تو عطا کیا ہی ہے، بے ضرورت ان اعضاء کا تنہائی میں بھی اظہار ممنوع فرمایا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ملاحظہ ہو:

احفظ عورتك اِلا من زوجتك و ما ملكت يمينك...... قلت فالرجل يكون خاليا. قال فالله احق ان يستحیٰ منه (۱۶)

اپنے مخفی اعضاء کی حفاظت کرو (ظاہر نہ کرو) سوائے اپنی بیوی کے اور لونڈی کے...... میں نے (راوی نے) عرض کیا: جب آدمی تنہا ہو تو کیا حکم ہے؟ (رسول اللہؐ) بولے، اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

یہ بحث اعضاء کے غیر طبعی استعمال کی بابت تھا۔ان کے طبعی استعمال پر الہامی راہنمائی کے دفتر کے دفتر دیکھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ بعض مواقع پر شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی دو عاقل بالغ افراد بعض کام نہیں کر سکتے۔نکاح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت قرار دیا (۱۷)۔ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں (۱۸)۔لیکن متاہلانہ زندگی کی یہ تاکید بھی بلاتحدید نہیں (۱۹) ۔ یہاں تو ولی کے بغیر نکاح باطل ہوتا ہے (۲۰)۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان اپنے جسمانی وجود سے اتنا ہی مستفید ہو سکتا ہے اور دوسروں کو کر سکتا ہے جتنی اسے شریعت نے اجازت دی ہو۔شرعی حدود سے باہر نکل کر اسے ان اعضا کے استعمال کا اختیار نہیں ہے۔اس بابت بعد میں مسائل کے اندر وسعت پیدا ہونے پر جب نئے نئے نکات سامنے آئے تو فقہاء کی آراء بھی منقح شکل میں ظاہر ہوئیں۔ان آراء سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فقہاء اس بارے میں ہمیشہ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

کس قدر یکسو رہے ہیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو:

مضطر لم يجد ميتة و خاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدى و كلها او قال اقطع منى قطعة و كلها لا يسعه ان يفعل ذلك(۲۱)

بھوک سے نڈھال اور موت کے خدشے سے دوچار شخص کو کھانے کو کچھ نہ ملے اور کوئی اسے کہے کہ میرے ہاتھ سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھالو تو وہ ایسا نہ کرے۔

تبدیلیِ اعضاء، معاصر فقہاء اور عرف

ابتداً یہ مسئلہ سامنے آنے پر برصغیر کے علماء نے بڑی شدت کے ساتھ اس کے خلاف رائے دی۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ علیہ نے تو اسے صریحاً حرام قرار دیا (۲۲)۔ تبدیلی اعضاء بذریعہ وصیت کے متعلق مولانا مودودی کا کہنا تھا کہ ''یہ دروازہ اگر کھول دیا جائے تو مسلمان کا قبر میں دفن ہونا مشکل ہو جائے گا۔ اس کا سارا جسم ہی چندے میں تقسیم ہو کر رہے گا'' (۲۳)۔ تاہم بعد میں آنے والے علماء مذکورہ بالا شرعی حدود میں رہتے ہوئے تبدیلی اعضاء کو بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دے چکے ہیں۔ لیکن زیرِ نظر قانون میں بذریعہ وصیت بعد از مرگ عطیہ دینے کا جو تذکرہ ملتا ہے، وہ شرعی حدود سے متجاوز دکھائی دے رہا ہے۔

اندریں حالات یہ کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیرِ نظر قانون کی دفعہ ۴ متعلقہ بہ تبدیلیِ اعضاء بذریعہ وصیت بعد از مرگ کئی اعتبار سے ناقص ہے۔ مندرجہ بالا نصوص سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ انسان اپنے اعضاء کی بابت بلاتحدید کسی وصیت کا روادار نہیں ہے۔ اپنی زندگی میں یہ کام کرنا چاہے تو بعض شرائط کے ساتھ یہ جائز ہے۔ زیرِ نظر قانون کی وضع وترکیب مشرقی مسلم معاشرے کو سامنے رکھ کر ہرگز نہیں کی گئی ہے۔ مغربی معاشروں میں اس دفعہ پر تو بخوبی اور بآسانی عمل ہو سکتا ہے لیکن پاکستانی معاشرے میں اسلامی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ کر بھی متوفیٰ کی زیرِ نظر وصیت پر عمل متصور کیا جائے تو ایک ہولناک تصویر آنکھوں کے سامنے آتی ہے۔ میت کا کون سا قریبی یا دور کا عزیز میت کو لحد میں اتارنے سے قبل اس کی چیر پھاڑ کے منظر کا متحمل ہو سکے گا۔ یہاں تو قتل جیسی غیر طبعی موت وغیرہ میں بھی ورثاء میت کی ضروری قانونی چیر پھاڑ کی اجازت نہیں دیتے، چہ جائے کہ وہ اعضاء کی قطع وبرید ہوتے دیکھیں۔ اس اعتبار سے بلاامتیازِ مذہب سب برابر ہیں۔

جسم انسانی کے متعلقین اللہ کریم، انسان، زوج اور دیگر اعزہ اور زندگی میں اعضاء کا عطیہ

ان نکات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ انسانی جسم کا مالک ومختار فی الاصل تو اللہ کریم ہے اور اسی

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

نے یہ جسم انسانی کے شعوری حصے کو بطور امانت ودیعت کر رکھا ہے۔ انسان اس امانت سے شرعی حدود و قیود کے اندر رہ کر استفادہ کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے انسان کا بلاعقد قانونی یا بلانسبت شرعی اس کے جسم سے غیر شرعی تصرف ناجائز ہے۔ لیکن اپنے جسم کا مالک وامین ہوتے ہوئے بھی انسان اس سے اسی قدر تصرف کر سکتا ہے جس کی اجازت الہامی ہدایت میں موجود ہو۔ یوں انسانی جسم کے متعلقین کی تعداد چار قرار دی جاسکتی ہے جو یوں ہے:

۱۔ اس سلسلے کا پہلا تعلق دار اللہ کریم ہے جس نے اس بابت کچھ حدود مقرر کر رکھی ہیں۔

۲۔ حیات ارضی میں انسانی جسم کا مالک وامین انسان کا شعوری حصہ ہے۔

۳۔ اسی جسم سے انسان کا زوج بھی شرعی حدود کے دائرے میں استفادہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ جب زوج کوئی حق رکھتا ہو تو اپنے حق کے لیے مضر افعال سے باز رکھنے کے لیے وہ جسم کے مالک وامین روک بھی سکتا ہے۔

۴۔ انسان کے دیگر اعزہ جیسے ماں باپ بہن بھائی وغیرہ بھی انسان پر حق رکھتے ہیں جس کی تائید نصوص متعلق بہ قانون میراث سے ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے: **انت و مالك لابيك** (۲۴) یعنی تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کی ملکیت ہیں۔

شادی سے قبل زوجین بعض قیود کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ کر پسند ناپسند کر سکتے ہیں۔ دیکھ کر پسند کرنے کا ایک ہی بڑا پیمانہ ہے جو ان کے حسن و جمال اور لطافت و رجولہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ان محاسن میں عیوب ہوں تو زوجین کو علیحدگی کا اختیار ہوتا ہے۔ ایک صحابی خاتون جمیلہ بنت اُبَّی بن سَلُول کو اپنے شوہر حضرت ثابتؓ کی صورت پسند نہ تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خلع کے لیے گئیں اور جس بنیاد پر انہوں نے خلع کا دعویٰ کیا، وہ یہ تھی:

انی رفعت جانب الخباء فرأيته اقبل في عدة فاذا هو اشد هم سوادًا و اقصرهم قامة و اقبحهم وجها (۲۵).

(یارسول اللہ) میں نے خیمہ کا پردہ اٹھایا تو وہ سامنے چند افراد کے ساتھ آ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ان سب سے زیادہ کالا، سب سے زیادہ کوتاہ قامت اور سب سے زیادہ بدشکل تھا۔

تھوڑی عدالتی جرح اور ردوکد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجین میں تفریق کرادی۔

لیکن تبدیلی اعضاء کے موجودہ قانون کی ایک اور دفعہ کے مطابق ہر بالغ شخص --- بلاامتیاز جنس ---

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

اپنی زندگی میں رضا کارانہ طور پر اپنا کوئی بھی عضو، اپنے خونی عزیز بشمول زوج، کسی کو عطیہ کر سکتا ہے۔ زیرِ نظر قانون کا متعلقہ حصہ ملاحظہ ہو:

> 3.Donation of organ or tissue by a living person.(1) Notwithstanding anything contained in any other law for the time being inforce, a living donor who is not less than eighteen years of age, may during his lifetime voluntarily donate any organ or tissue of his body to any other living person genetically and legally related, who is a close blood relative and the donation of organ or part or tissue by such person for therapeutic purpose shall be regulated in the manner as may be prescribed. In the case of regenerative tissue, i.e. stem cells, there is no restriction of age between siblings(26).

> **۳۔زندہ انسان کا عضو یا ٹشو عطیہ کرنا۔**(۱) قطع نظر کسی رائج الوقت قانون میں مذکور کسی بھی شے کے، زندہ معطی جو اٹھارہ سال سے کم عمر کا نہ ہو، اپنی زندگی میں اپنے جسم کا کوئی بھی حصہ یا ٹشو جینیاتی یا قانونی رشتہ دار کو جو اس کا قریبی خونی رشتہ دار ہو، رضا کارانہ طور پر عطیہ کر سکتا ہے اور اس شخص کی طرف سے طبی مقصد کے لیے عضو یا عضو کے حصے یا ٹشو کے عطیے کی تعمیل متعین طریقے پر کی جائے گی۔ مکرر پیدا ہو جانے والے ٹشو کی صورت میں جیسے بدنی خلیے، بھائی بہنوں کے مابین عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔

آگے قریبی خونی رشتہ داروں میں والدین، بیٹا بیٹی، بہن بھائی اور زوج شامل کیے گئے ہیں۔ قانون سے متعلق اصحاب جانتے ہیں کہ قانون سازی کسی وقتی لہر یا سوچ کی بنیاد پر نہیں ہوتی، اس کے سامنے کہیں آگے کا منظر ہوتا ہے۔ اس داعیے کی روشنی میں مندرجہ بالا شق سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ مقنن نے لوگوں کو جسم کے تمام اعضاء عطیہ کرنے کی جو آزادی آج دی ہے، طبی ایجادات واختراعات کی بدولت آگے چل کر اگر مخفی اعضاء متعلق بہ توالد تناسل کی تبدیلی بھی ممکن ہوگئی تو مذکورہ بالا قریبی خونی رشتہ دار ایک دوسرے کو یہ اعضاء یقیناً عطیہ کر سکیں گے۔ قانون کا یہ حصہ اس قدر رواروی میں تیار کیا گیا ہے کہ لگتا ہے کسی شخص نے اس عبارت کے اندر پوشیدہ مفاہیم اور معانی پر سرسری نظر بھی ڈالنا گوارا نہیں کی۔ ایسی کسی صورت حال کے سامنے آنے پر وہ وہ نت نئے فقہی اور قانونی سوال اٹھیں گے کہ جن کا احاطہ آج کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ ذرا سوچ کر بلکہ اس قانون کی مناسب تشہیر کر کے بحث کی جاتی تو یہ اور ان جیسے لاتعداد اعتراضات اس میں

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

سموئے جاسکتے تھے۔

لیکن یہ مسئلے کا وہ پہلو ہے جس کا تعلق پورے معاشرے کے حقوق(Right in rem) سے ہے۔اس قانون میں انفرادی حقوق(Right in persona) کو بھی مطلقاً نظرانداز کیا گیا ہے۔

جمیلہ بنت سلول کا واقعہ اس قانون کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو عملاً یہ صورت کئی الجھنوں کا باعث بن سکتی ہے۔زوجین میں سے کوئی اپنی آنکھ شفقت پدری، مادری یا اخیافی شفقت کی بنیاد پر مذکورہ بالا عزیزوں میں سے کسی کو عطیہ کردے تو دوسرے کے لیے اس کے غارنما چہرے کے ساتھ کتنے عرصے تک نباہ ممکن ہوگا۔ حدیث کی روشنی میں بیوی تو خلع کا دعویٰ کرسکتی ہے اور شوہر کے پاس طلاق کا راستہ موجود ہے حالانکہ ناقص اہلیت اداء کے باعث بیوی بلا اجازت شوہر یہ عطیہ کر ہی نہیں سکتی (ناقص اہلیت اداء کا ذکر آگے آ رہا ہے)۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آئیندہ چل کر پاکستانی معاشرت کس بھیانک صورت حال سے دوچار ہوسکتی ہے۔

اس قانون میں زوجین کے اس حق اور قانون سے پیدا شدہ ممکنہ الجھنوں کو سامنے نہیں رکھا گیا۔اس لیے ضروری ہے کہ زندگی میں عطیے دینے کا یہ عمل زوجین کی باہمی رضامندی سے ہو۔

دیگر اعزہ واقارب کے حقوق

تیسرے دائرے میں انسان کے دیگر اقارب آتے ہیں جیسے ماں باپ، بہن بھائی اور باقی نسبی وقرابتی عزیز۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن سے انسان کا قلبی لگاؤ ہوتا ہے۔ان سب کے حقوق کا پیمانہ وہی ہے جو قصاص ودیت کے ضمن میں کتب فقہ میں بالوضاحت موجود ہے۔تفصیل میں جائے بغیر یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میت کے ورثاء کے حقوق شریعت میں مسلّم ہیں۔اس نسبت سے قصاص کے ورثاء الگ اور دیت کے ورثا الگ ہیں۔قصاص کے اصحاب الحق کون ہیں؟ اس کا انحصار موجودہ ورثاء کی نوعیت پر ہے۔قصاص کا سقوط بعض شرائط کے اندر رہتے ہوئے صرف صاحب حق کی طرف سے ممکن ہے۔شرائط عفو کے تذکرے میں کاسانی نے خاصی تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ایک جگہ وہ مقتول کے ورثا کا ذکر یوں کرتے ہیں:

> **فان کان له وارث فالمستحق للقصاص هو الوارث کا لمستحق للمال لانه حق ثابت والوارث اقرب الناس الی المیت فیکون له، ثم ان کان الوارث واحداً استحقه وان کان جماعة استحقوه علی سبیل الشرکة کالمال الموروث عنه(۲۷).**

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

چنانچہ اگر میت کا وارث ہو تو مال کی طرح قصاص کا استحقاق وارث کے پاس ہے، کیوں کہ حق ثابت ہے اور میت کے قریب تر ہونے کے سبب یہ اس کا حق ہے، پھر اگر وارث ایک ہو تو یہ استحقاق اس کا ہے اور اگر ورثا کا مجموعہ ہو تو وہ متروکہ مال میں اشتراک کے سبب (قصاص میں) استحقاق رکھتے ہیں۔

کاسانی مزید فرماتے ہیں: ان یکون العفو من صاحب الحق یعنی معافی اس کی طرف سے ہوتی ہے جس کے پاس یہ حق ہو۔ مقتول کے باپ دادا اور کم سن بیٹا موجود ہوں تو عفو کا حق باپ دادا کو حاصل نہیں، کم سن بیٹے کو ہے حالانکہ وہ اسی کم سن بیٹے یا پوتے کے ولی ہوتے ہیں لیکن یہاں ان کی ولایت مقیدہ ہے۔

قصاص کا مرتبہ قتل خطاء اور عفو کی صورت میں کم تر ہو کر دیت کے مقام پر آ جاتا ہے۔ تب مقتول کے وہ تمام وارث دیت میں اپنا وہی حصہ وصول کرتے ہیں جو معمول کے حالات میں انہیں میت کی وراثت میں ملتا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ متعدد حل طلب مسائل موت کے بعد بھی انسانی وجود سے وابستہ رہتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے ان تمام مسائل کا جزئی حل تک بتایا ہے۔ ادھر زیرِ نظر قانون میں اعضا کی وصیت سے متعلق ان امور کو مطلقاً نظر انداز کیا گیا ہے۔ انسان اپنے اعضاء سے ایک حد ہی تک استفادہ کر سکتا ہے۔ کچھ حقوق انسان کے جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں جس پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ بقیہ حقوق اس کے عصبات اور ذوی الفروض کے پاس ہوتے ہیں۔ موت کے بعد میت کے جملہ اعضاء کے مالک اس کے ورثاء ہوتے ہیں۔ پس اپنی زندگی میں کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ بعد از مرگ اس کے اعضاء کسی شفاخانے وغیرہ کو عطیہ کر دیئے جائیں تو اسلام کے قانون قصاص و دیت اور قانون وراثت وصیت کی روشنی میں لازم ہے کہ اس وصیت کو اس کے جملہ ورثاء کی تائید حاصل ہو۔ اپنے طور پر کسی شخص کی منفرد وصیت کافی نہیں ہے۔ اس داعیے کی تائید معاشرتی عرف بھی کرتا ہے جس کا سرسری تذکرہ آگے آ رہا ہے۔ تفصیل کے لیے محولہ بالا کتاب میں کتاب الجنایات ملاحظہ ہو۔

موجودہ قانون اور عورت کی ناقص اہلیت اداء

یہ قانون اس اعتبار سے بھی ناقص ہے کہ اس میں عورت مرد میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا ہے۔ اسلامی قانون دنیا کے دیگر تمام قوانین سے کئی اعتبار سے یکسر مختلف ہے۔ فقہ اسلامی میں عورت کی الگ سے اہلیت اداء ایک مستقل موضوع ہے جسے فقہاء نے قاصرہ قرار دیا ہے۔ جب اہلیت اداء ناقص ہو تو معاملات پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اسی لیے عورت کے متعدد معاملات اس کے باپ یا شوہر کی رضا سے مشروط ہوتے ہیں۔

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

عبادات کے باب میں تو یہاں تک حکم ہے کہ اس کا نفلی روزہ بھی شوہر کی اجازت ہی سے ممکن ہے۔ اب اگر شادی شدہ عورت اپنا کوئی عضو اپنی زندگی میں کسی کو عطیہ کر دے تو کیا یہ عمل شوہر کی اجازت کا تقاضا نہیں کرتا۔ مثلاً بیوی کا اکلوتا بھائی دونوں آنکھوں سے محروم ہو جائے اور بیوی اپنی ایک آنکھ اسے عطیہ کرنا چاہے تو کیا یہ عطیہ شوہر کی اجازت کے بغیر ممکن ہے۔ انسانی ہمدردی سے لبریز کوئی عورت اپنے متعدد اعضاء اپنے قریبی اعزہ واقارب کو شوہر کی اجازت کے بغیر عطیہ کر دے تو کیا شوہر اپنی زوج سے انسانی فطرت کے اندر رہتے ہوئے تلذّذ حاصل کر سکتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب حاملین شریعت کے ساتھ ساتھ داعیانِ حقوقِ انسانی کے ذمے بھی ہے۔ سوال یہ بھی ہے کہ اگر فطری طور پر بدصورت شوہر سے عورت خلع لے سکتی ہے تو خود اپنی پیدا کردہ بدصورتی والی عورت کو مرد طلاق کیوں نہیں دے سکتا۔

یہاں آکر بات محض ناقص اہلیت اداء ہی تک محدود نہیں رہتی، یہاں تو صورت حال بالعکس ہو تو بیوی بھی شوہر کو منع کر سکتی ہے کہ وہ یہ کام نہ کرے۔ اس بارے میں زوجین کے باہمی حقوق بے حد زیادہ ہیں۔ تفصیل کے لیے کتب فقہ میں باب خلع ہی دیکھ لیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ زوجین کے مابین تعلق کی بنیاد جسمانی ہوا کرتی ہے جس میں اختلال در آئے تو ازدواجی زندگی کا انقطاع بآسانی ممکن ہے۔ جمیلہ بنت ابی بن سَلُول والی حدیث اس کا بیّن ثبوت ہے۔

لاوارث میت کے اعضاء کا مسئلہ

بذریعہ وصیت عطیے والے حصے ہی میں کہا گیا ہے کہ شفاخانوں میں لاوارث متوفی مریضوں (میتوں) کے اموران کے اعزہ کی تلاش کے بعد چوبیس گھنٹے کے اندر ایوالیوایشن کمیٹی کے سامنے بغرض پیوندکاری پیش کیے جائیں گے۔

یہ ایک انتہائی حساس مسئلہ ہے۔ قانون کا یہ حصہ بھی ملکی معاشرتی عرف کو نظرانداز کر کے وضع کیا گیا ہے۔ وطن عزیز میں آئے دن دہشت گردی اور لوٹ مار کی وارداتوں، ٹریفک حادثات، امراض قلب کے باعث فوری اموات اور ان جیسے کئی حالات کے باعث شفاخانوں میں لاوارث میتوں کا دن بدن بڑھتے چلے جانا بعید از فہم نہیں ہے۔ اخبارات شاہد ہیں کہ شہروں میں گٹروں کے ڈھکن غائب ہونے کے سبب بھی حادثاتی اموات کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں کسی کی ناگہانی موت کا صدمہ ہی لواحقین کے لیے ناقابل برداشت ہوتا ہے، چہ جائے کہ انہیں بعد میں سراغ ملنے پر پتہ چلے کہ ان کے پیارے کے اعضاء بھی لوگ لے جا چکے ہیں۔ ایسی ہی کسی صورت حال اور لاوارث میت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

وسلم کا فرمان ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو، اس کا ولی میں (ریاست) ہوں (۲۸)۔ ایک دوسری حدیث میں ولی کی جگہ وارث کا لفظ آتا ہے۔ زیرِنظر قانون میں یہ قیاس کیے بغیر کہ ایسی صورت میں ورثا بالعموم کیا کرتے ہیں، ولی (حکومت) نے لواحقین کے اختیارات از خود حاصل کر لیے ہیں اور ایوالیوایشن کمیٹی کو بلا جواز یہ اختیار دیا ہے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر وہ میت کو چیر پھاڑ کر رکھ دے۔

اعضاء کی تبدیلی ایک استثنائی معاملہ ہے جس کا وقوع اس کثرت کے ساتھ اور کم وبیش تجارتی بنیادوں کے مثل ہونا نہ صرف معاشرتی روایات کو الٹ پلٹ کر رکھ دے گا بلکہ اس سے معاشرے میں سرکاری سطح پر ایک نئی طرح کی لاقانونیت کو فروغ ملے گا۔ خون کے عطیے جیسا مقدس کام جس طرح آلودہ ہو چکا ہے، کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہاں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر شہر اور قصبے میں ایسے گروہ وجود میں آ سکتے ہیں جو شفاخانوں میں ایسی لاوارث میتوں کے ملتے ہی ضرورت منداہلِ ثروت سے معاملہ کرنے کے لیے معلومات منتقل کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائیں گے۔ اس طرح یہ متبرک فعل ایک نفع بخش کاروبار بن سکتا ہے۔ معاشرے کی اخلاقی حالت کچھ ایسی نہیں ہے کہ اس کیفیت کے آگے بند باندھا جا سکے۔

اس سلسلے کے تازہ ترین واقعے کا خلاصہ ملاحظہ ہو: ایک حادثے میں ایک پندرہ سالہ لڑکے کی میت سے ڈاکٹروں نے جگر نکال کر ایک امیر اور بااثر شخص کو لگا دیا۔ اس پر انسانی حقوق کی ایک تنظیم نے عدالت عالیہ اسلام آباد میں دعویٰ دائر کر دیا۔ عدالت نے ہیومن آرگن ٹرانسپلانٹ اتھارٹی سے جواب طلب کر لیا ہے(۲۹)۔ یہ معاملہ عدالت میں ہے اس لیے اس پر رائے زنی مناسب نہیں، تاہم اس واقعے سے اصولی طور پر اس موقف کو تائید ملتی ہے کہ شفاخانوں میں آنے والی میتوں کے اعضاء منتقل کرنا عام کر دیا گیا تو بے وسیلہ لوگوں کا جینا دوبھر ہو جائے گا اور باوسیلہ لوگ ہر کام کر گزریں گے۔ انسانی جسم کا احترام یہ اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ استثنائی ضروریات کو معمولاتِ زندگی بنا دیا جائے۔

موجودہ قانون اور معاشرتی عرف

اس قانون کا حصہ متعلق بہ وصیت کسی حد تک ملک کی اس غیر مسلم آبادی کے لیے مؤثر ہو سکتا ہے جس کے ہاں میت کو جلا دیا جاتا ہے جیسے ہندو آبادی، یا جس کے ہاں میت کو کسی اور شکل میں تلف کرنے کا بندوبست کیا جاتا ہے جیسے پارسی برادری۔ مسیحی آبادی کے علماء اپنے بارے البتہ خود کوئی رائے دے سکتے ہیں۔ رہا بذریعہ وصیت اعضاء کا عطیہ کرنا تو یہ قانونِ شرعی ہی نہیں معاشرتی عرف کے مطابق بھی ناقابلِ عمل ہے۔ کسی قبائلی برادری کے جدید پڑھے لکھے فرد کی ایسی کسی وصیت پر انسانی حقوق اور انسانی ہمدردی کے نام

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

پر عمل کرنے کا نتیجہ بآسانی سوچا جا سکتا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں کون باپ---بلا تفریق مذہب---ہوگا جو اپنی موجودگی میں اپنے جوان سال بیٹے کی میت کی آنکھیں، گردے، دل، پھیپھڑے اور دیگر اعضاء نکالنے کی اجازت دے گا۔ ایسے لگتا ہے کہ قانون وضع کرنے والوں نے معاشرتی عرف پیش نظر رکھے بغیر اور بلا کسی جوہری تبدیلی کے مغربی قوانین کو پارلیمان کے سامنے رکھ دیا اور ارکان پارلیمان نے شاید اس پر کچھ زیادہ غور وفکر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

یہ قانون کچھ اس بے دلی اور افراتفری میں وضع کیا گیا ہے کہ شرعی احکام کو ایک طرف رکھیں، عملاً بھی یہ قانون بڑی حد تک ناقابل عمل ہے۔ قانون کہتا ہے کہ متوفیٰ کی موت کی اطلاع اس کا کوئی قریبی عزیز کمیٹی کو ''دے گا''۔ یہ کسی نے نہیں سوچا کہ کیوں دے گا، اور کون سا عزیز دے گا۔ اور اگر کوئی بھی عزیز متوفیٰ کی موت کی اطلاع کمیٹی کو نہ دے تو اعزہ کی تادیب کیسے ہوگی، انہیں کیا سزا دی جائے گی اور کیوں دی جائے گی اور قانون پر عمل کیسے ہوگا؟ ان تمام سوالات کا جواب پارلیمان نے عدالتوں کے ذمے ڈال دیا ہے جو ان کے ذمے نہیں ہے۔

یہ قانون اس لحاظ سے بھی ناقص ہے کہ اس میں وصیت کے ایک اہم رکن وصی (Executor) کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ وصیت کے لیے لازم ہے کہ بعد از وفات موصی، وصیت پر عمل کرانے والے کسی شخص کا وجود ہو جسے وصی کہتے ہیں۔ اگرچہ اپنے اعضاء کسی دوسرے کو عطیہ کرنے کے عمل کو شرعی وفقہی اصطلاح میں وصیت نہیں کہا جا سکتا، اس عمل کی اصل حیثیت ایک ''اذن'' یعنی اجازت کی ہے جو معطی اپنی زندگی میں کسی شخص ریاستی یا غیر ریاستی ادارے کو تفویض کرتا ہے کہ اس کی موت کے بعد اس کا کوئی عضو جسم سے الگ کر کے استعمال کر لیا جائے، تاہم اگر اس کو شرعی وصیت بھی شمار کیا جائے تو کسی وصی کا تعین ناگزیر ہے۔ ملک کی قابل لحاظ آبادی ناخواندہ اور اس کی غالب اکثریت دیہی معاشرے میں آباد ہے۔ اب اگر وصیت کا علم متعلقہ ادارے (Donee یعنی موصیٰ لہ) کو ہو لیکن ورثاء میں کسی کو نہ ہو تو اعضاء سے کیسے استفادہ کیا جائے گا۔ موصیٰ لہ کو اطلاع کون دے گا؟ زیر نظر قانون اس بارے میں بالکل خاموش ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ ان معروضات کی روشنی میں قانون کے اس حصے پر نظرِ مکرر ڈالی جائے گی۔

خلاصہ کلام

یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ اٹھائے گئے ان نکات کے باقی رہ جانے والے حصوں پر اہل علم توجہ دیں گے۔ وطن عزیز کے ایام طفولیت میں انتہائی کہنہ مشق اور تجربہ کار ارکان پارلیمان موجود تھے۔ لیکن جمہوری عمل

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

میں بار بار کے عدم تسلسل کے باعث پارلیمانی اداروں کے اندر ہر بار نئی لگائی جانے والی پنیری بار آور ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی جاتی رہی۔ اس عمل میں تناور پارلیمانی وجود معدوم ہوگئے۔ ہر دفعہ نئے سرے سے پارلیمانی عمل کا آغاز کرنے کے نتیجے میں اب پارلیمان میں منجھے ہوئے افراد انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ موجودہ ارکان پارلیمان کی اجتماعی دینی استعداد سے کسی قانونی پختہ کاری کی توقع عبث ہے۔ پھر ہر رکن پارلیمان ہر مسئلے پر رائے دہی کا اہل بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے وطن عزیز کے پارلیمان سے توقع کی جاتی ہے کہ ہر مجوزہ قانون کا ابتدائی مسودہ مجلس قائمہ کے حوالے کرتے ہی اسے مشتہر کر دیا جائے۔ سرکاری طریقے پر تیار کردہ کچا پکا مسودہ بالعموم معمولی ردوکد کے بعد پارلیمان میں جوں کا توں اپنا لیا جاتا ہے۔ مشتہر کرنے کی صورت میں سیاسی میلے منڈی سے الگ اہل علم کی آراء آنے پر اس میں پیدا ہونے والے حسن وخوبی کا بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں مستحکم اور پائیدار قانون سازی کی داغ بیل پڑے گی جس کا فائدہ ملک کی تمام آبادی کو بلاامتیاز مذہب پہنچے گا۔ زیر نظر قانون کی شرعی خامیاں ایک طرف رکھی جائیں تو فنی لحاظ سے بھی یہ ایک ناقص قانون ہے کیونکہ اس پر عمل درآمد کرنے کا کوئی ایسا طریقہ نہیں بتایا گیا جو واقعی قابل عمل ہو۔

توقع کی جاتی ہے کہ اہل علم اور پارلیمانی حلقے ان معروضات پر غور کریں گے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ Transplantation of Human Organs and Tissues Act 2010

۲۔ Transplantation of Human Organs and Tissues Ordinance 2007

۳۔ قانون محولہ بالا مجریہ ۲۰۱۰ء دفعہ ۳

۴۔ ایضاً، دفعہ ۱۱

۵۔ ایضاً، دفعہ (۱) ۴

۶۔ دستور پاکستان ۱۹۷۳ء: آرٹیکل ۲۲۷

۷۔ قانون محولہ بالا مجریہ ۲۰۱۰ء، دفعہ (۲) ۴

۸۔ Section 11 of the Contract Act 1872

۹۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ: رسائل ومسائل حصہ سوم، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز: اگست ۱۹۸۷ء، ص ۲۹۴

۱۰۔ ترمذی: ابواب اللباس، باب ماجاء فی شد الاسنان بالذھب

۱۱۔ ابن نجیم: الاشباہ والنظائر، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۸۱، ج ۱، ص ۸۵

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.

۱۲۔ یہ شرائط متعلق بہ اضطرار ہیں جس کی بنیاد ضرورت ہوتی ہے۔ حالت اضطرار میں حرام کے بقدر ضرورت حلال ہونے کی تین شرائط ہیں: جان کو خطرہ ہو، خطرہ طبیب سے مبین ہو اور حرام کے استعمال سے جان کی بچت بالعموم یقینی ہو۔ تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ ہو۔
۱۳۔ قرآن: یٰس۔ ۵۲
۱۴۔ قرآن: نساء۔ ۵۶
١٥۔ ترمذی: ابواب الاستیذان والادب، باب ماجاء فی نظرة الفجاة
١٦۔ ترمذی: ابواب الاستیذان والادب، باب ماجاء فی حفظ العورة
١٧۔ ابن ماجه: السنن كتاب النكاح، ماجاء فی فضل النكاح
١٨۔ بخاری: الصحیح، كتاب النكاح، باب الترغيب فی النكاح
١٩۔ ابوداؤد: السنن، كتاب النكاح، باب فی الولی
۲۰۔ اگرچہ اس بابت فقہاء میں اختلاف ہے کہ ولی کے بغیر نکاح کی نوعیت کیا ہے، تاہم ولی کے وجود سے انکار کسی کو نہیں ہے۔
۲۱۔ الفتاویٰ الھندیۃ (فتاویٰ عالمگیری) بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۱، جلد ۵، ص ۳۳۸
۲۲۔ محمد شفیع، مفتی: انسانی اعضاء کی پیوندکاری، کراچی، دارالاشاعت، ۱۳۸۷ھ، ص ۳۱
۲۳۔ مودودی، سید ابوالاعلی: رسائل وسائل، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، اگست ۱۹۸۷ء، حصہ سوم، ص ۲۹۴
٢٤۔ ابن ماجه: سنن، كتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولده
٢٥۔ طبری، ابن جرير: جامع البيان، دار هجره للطباعة والنشر ٢٠٠١، ج ٤، ص ١٣٧
۲۶۔ قانون محولہ بالا مجریہ ۲۰۱۰ء دفعہ ۳
٢٧۔ كاسانی، علاء الدين ابی بكر بن مسعود: بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، بيروت، دارالمعرفه، ٢٠٠٠ء، ج ٨، ص ٨٤
٢٨۔ مسند احمد، ج٢٨، ص ٤٣٢، المقدام بن معد ی كرب، حديث ١٧١٩٩ نیز دیکھیے أبو داود باب فی الولی
۲۹۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی، مورخہ ۱۹ نومبر ۲۰۱۱ء، ص ۲

An evaluation version of novaPDF was used to create this PDF file.
Purchase a license to generate PDF files without this notice.